اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المآئدہ:37)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال:34)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ولایت کا حصول کیسے؟

ہر کلمہ گو انسان کے دل میں یہ چھپی ہوئی خواہش ہوتی ہے کہ میں اللہ رب العزت کا ولی بن جاؤں۔اس کے اعمال جیسے بھی ہوں،حالات جیسے بھی ہوں،مگر دل کی تمنا ضرور ہوتی ہے۔وہ چاہتا ہے کہ مجھے ولایت کا مقام مل جائے۔

ولایت دو طرح کی ہوتی ہے۔ایک کو ولایتِ عامہ کہتے ہیں اور دوسری کو ولایت خاصہ کہتے ہیں۔ولایت کلمہ پڑھ لینے پر آدمی کو نصیب ہو جاتی ہے۔چنانچہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ:257) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے

یہ ولایت کا پہلا قدم ہے اور یہ نعمت کلمہ پڑھ لینے پر انسان کو حاصل ہو جاتی ہے۔جبکہ ولایت خاصہ وہ ولایت ہے جس کو ہم عرف میں ولایت کا نام دیتے ہیں۔اس ولایت کے حصول کے لیے انسان کو تقویٰ اختیار کرنا پڑتا ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال:34) اللہ کے ولی وہی ہوتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں

آج لوگوں میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو بندہ ملنگ بن جائے، شاید وہ ولی بن جاتا ہے۔ عوام کالانعام یہ سمجھتے ہیں کہ..... آدھا ننگا آدھا ولی پورا ننگا پورا ولی..... ہرگز ایسا نہیں ہے۔ ولایت شریعت وسنت پر عمل کرنے کا دوسرا نام ہے۔ مگر نفس یہ چاہتا ہے کہ من مرضی بھی کروں اور پھر بھی ولی بن جاؤں۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

یہ کبھی ممکن نہیں کہ انسان کبائر کا مرتکب بھی ہو اور پھر اللہ کا ولی بھی ہو۔ دوستی اور دشمنی اکٹھی نہیں ہوتی۔ یا تو انسان ایک وقت میں دوست ہوتا ہے یا دشمن ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کی نافرمانی کرنا، یعنی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہونا، یہ اللہ رب العزت سے دشمنی ہے۔ اس لیے جو شخص یہ چاہے کہ مجھے ولایت کا منصب مل جائے، اسے چاہیے کہ وہ شریعت پر احتیاط کے ساتھ عمل کرے۔

یہ احتیاط کا لفظ کیوں استعمال کیا؟ اس لیے کہ آدمی جب کسی کام کے بارے میں فکرمند ہوتا ہے تو پھر وہ اس میں رسک نہیں لیتا۔ مثال کے طور پر آپ کی حج کی فلائٹ دس بجے ہے، تو آپ گھر میں کہیں گے کہ ہمیں ساڑھے نو بجے پہنچ جانا چاہیے۔ کیوں؟..... آپ رسک نہیں لینا چاہتے کہ ایسا نہ ہو کہ فلائٹ چلی جائے اور میں رہ جاؤں۔ انگریزی میں اسے کہتے ہیں:

To be on the safe side. (محتاط رہ کر عمل کرنا)

گھر میں آپ بیوی سے کہتے ہیں کہ میں نے آج علما کو دعوت دی ہے۔ دس بندے آئیں گے، لیکن To be on the safe side. آپ پندرہ بندوں کا کھانا تیار کر دیں۔ کیونکہ اگر ایک دو بندے اور بھی آجائیں تو شرمندگی نہ ہو۔

جس طرح دنیا کے کاموں میں آپ محتاط رہ کر عمل کرتے ہیں، اسی کو شریعت کی زبان میں ورع اور تقویٰ

کہتے ہیں۔

ورع کی لغوی تحقیق:

ورع باب ضَـرَبَ سے ہے۔اس کے معنی ہیں کبیرہ کے ڈر سے صغیرہ کو چھوڑ دینا۔جیسے ہم کہتے ہیں کہ جس منزل پہ نہ جانا ہو اس کا راستہ پوچھنے کی کیا ضروری ہے۔اسی کو ورع کہتے ہیں کہ انسان بڑے گناہ سے بچنے کی خاطر چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچے۔

نیکی کی پہچان:

دینِ اسلام، دینِ فطرت ہے۔اس دین کا سمجھنا بہت آسان ہے۔حتی کہ ان پڑھ بندہ جس کو ہم جاہل کہتے ہیں، وہ بھی دین سمجھ سکتا ہے۔اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے فطری سمجھ رکھی ہے۔چاہے اس کے پاس کتابی علم نہ ہو۔

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السّلام نے نیکی اور بدی کی پہچان بتائی اتنی آسان اور اتنی خوبصورت۔سبحان اللہ!

ایک بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ ''نیکی اچھے اخلاق کا دوسرا نام ہے۔'' چنانچہ ہر بندے کو پتہ ہوتا ہے کہ اچھے اخلاق کیا ہیں۔

☆ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا،

☆ خیر خواہی کرنا،

☆ ہمدردی کرنا،

☆ مصیبت میں ان کے کام آنا،

☆ایثار کرنا۔

ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے کہ یہ اچھے کام ہیں۔اس کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔یہ پہچان ہر بندے کوفطری طور پر حاصل ہے۔اسی لیے تو اس کو دین فطرت کہا گیا ہے۔چنانچہ آپ جہاں بھی اچھے اخلاق دیکھیں گے، سمجھ لیں گے کہ یہ نیکی کا کام ہے۔

☆دوسرے سے مسکرا کر ملنا، خندہ پیشانی سے ملنا،

☆اس کے دکھ اور مصیبت کو بانٹ لینا،

☆اس کو تکلیف نہ پہنچانا،

☆اس کی جان، مال، عزت، آبرو کے اوپر بری نظر نہ رکھنا۔

کون ایسا بندہ ہے جو یہ نہیں جانتا کہ یہ اچھے اخلاق ہیں! چنانچہ جہاں آپ کا دل بتائے کہ میں اچھائی کا کام کر رہا ہوں، وہاں سمجھ لو کہ میں نیکی کا کام کر رہا ہوں۔

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ ''گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو چاہے کہ کسی کو پتا نہ چلے۔''

کئی مرتبہ ہم ایسا کام کرتے ہیں کہ اسے ہم دوسروں سے چھپاتے ہیں تا کہ کسی کو پتا نہ چل جائے۔جب کام کرتے ہوئے دل میں یہ بات ہو کہ کہیں دوسروں کو پتا نہ چل جائے، تو سمجھ لیں کہ دل میں کچھ کالا ہے۔اس لیے فرمایا کہ اگر آپ کے پاس موقع نہیں کہ آپ کسی عالم سے پوچھ لیں، تو اپنے دل پہ ہاتھ رکھ لیں۔جب دل کو دھڑکتا پائیں اور دل چاہے کہ کسی کو پتا نہ چلے تو پھر سمجھ لیں کہ یہ گناہ کا کام ہے۔یہ کس قدر آسان پہچان ہے! بکریوں کا چرانے والا، جس کی عمر ویرانے میں گزر جاتی ہے، اس کو علما کی صحبت میسر نہیں ہوتی، لیکن نیکی اور بدی کی پہچان اس کو بھی حاصل ہوتی ہے۔

تین انمول باتیں:

حسن بصریi فرماتے تھے کہ جس کو تین باتیں حاصل ہوں، وہ سمجھ لے کہ مجھے دین کی ہر نعمت نصیب ہوگئی ہے۔

پہلی بات:

ایسا ورع جو اس کو حرام سے روک دے۔ یعنی طبیعت کے اندر ایسی احتیاط آجائے کہ انسان حرام کاموں سے بچ جائے۔ دل کی کیفیت ایسی ہو کہ وہ اس بات کا فیصلہ کر دے کہ میں نے اپنے پروردگار کو ناراض نہیں کرنا۔ جب ایسی کیفیت بن جائے گی تو وہ انسان گناہوں سے بچ جائے گا۔

دوسری بات:

ایسا وقار جو انسان کو جہالت کے کاموں سے روک دے۔ انسان کے اندر ایک وقار ہوتا ہے۔ جو اچھے لوگ ہوتے ہیں وہ باوقار زندگی گزارتے ہیں۔ وہ گھٹیا کام نہیں کرتے۔ وہ تنگی اور نقصان اٹھا لیتے ہیں، مگر وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو وقار کے منافی ہو۔ بہت سے دنیادار لوگوں کو دیکھا کہ ان کی زندگی اتنی دین دارانہ نہیں ہوتی، مگر وہ باوقار ہوتے ہیں۔ اس لیے شریعت نے کہا کہ اگر کوئی حافظِ قرآن ہے اور اس کے ساتھ کوئی بندہ جہالت کی باتیں شروع کر دے تو اس کو رک جانا چاہیے۔ اس لیے کہ فِیْ جَوْفِهٖ كَلَامُ اللّٰهِ (اس کے سینے میں اللہ کا قرآن ہے) یہ بھی ارشاد فرمایا:

مَا يَنْبَغِيْ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اَنْ يَّجْهَلَ مَعَ مَنْ جَهِلَ

''حافظِ قرآن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ جاہلوں کے ساتھ جاہلوں والی باتیں کرتا پھرے''

تیسری بات:

ایسے اخلاق جو انسان کو دوسرے کی دل آزاری سے روک دیں۔ یعنی انسان کے اندر اتنی خوش اخلاقی ہو کہ وہ کسی دوسرے انسان کا دل نہ دکھائے۔ ہر وقت وہ اس بات پر نظر رکھے کہ میری وجہ سے اللہ کے کسی بندے کو تکلیف نہ ہو۔ ہمارے اکابر ایسے خوش اخلاق تھے کہ یوں لگتا تھا کہ جب وہ زمین پر چلتے تھے تو پاؤں آہستہ رکھتے تھے کہ پاؤں رکھنے سے زمین کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم دوسروں کا دل دکھاتے ہوئے گھبراتے بھی نہیں۔ یاد رکھیں! بیماریوں میں سے سب سے بری بیماری دل کی بیماری ہے اور دل کی بیماریوں میں سب سے بری بیماری دل آزاری ہے

مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے ، ڈھادے جو کچھ ڈھیندا اے
پر کسے دا دل نہ ڈھاویں ، رب دلاں وچ رہندا اے

چھوٹی چھوٹی باتوں پر دوسروں کا دل دکھانا، یہ مومن کا شیوہ نہیں ہوتا۔

تدبیر، پرہیز اور حسنِ خلق کی اہمیت:

طبرانی نے معجم کبیر میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السّلام نے تین باتیں ارشاد فرمائیں۔

پہلی بات یہ ارشاد فرمائی:

تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں

تدبیر کہتے ہیں، پلاننگ کرنے کو۔ یعنی ہم جو کام بھی کریں سوچ سمجھ کے کریں۔ بعض انگریزی پڑھے لکھے لوگ کہتے ہیں کہ دینِ اسلام میں پلاننگ نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ اللہ رب العزت کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ تدبیر سے بہتر کوئی عقل نہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ دینِ اسلام میں پلاننگ نہیں۔

عقلمند انسان ہمیشہ ترتیب اور تدبیر سے کام کرتا ہے۔سوچ سمجھ کے کام کرتا ہے۔

دوسری بات ارشاد فرمائی:

پرہیز سے بہتر کوئی ورع نہیں

جو بندہ پرہیز اور احتیاط کے ساتھ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کرتا ہے وہ دنیا میں بھی خوشیوں بھری زندگی بسر کرتا ہے اور اسے آخرت میں بھی اللہ رب العزت کی رضا نصیب ہوگی۔

پھر تیسری بات ارشاد فرمائی:

اچھے اخلاق سے بہتر کوئی نسب نہیں۔

جس انسان کو اللہ رب العزت نے حسنِ خلق عطا فرمادیا، وہ سمجھ لے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہترین حسب و نسب عطا کردیا۔

دولفظوں میں بات:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک لڑکے سے سوال پوچھا: بتاؤ! دین کا خلاصہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: ورع۔یعنی احتیاط کے ساتھ دین پر عمل کرنا۔پھر آپ نے فوراً دوسرا سوال پوچھا: دین میں مصیبت کیا ہے؟ اس نے کہا: طمع۔یعنی ورع سے بہتر دین کا کوئی اور خلاصہ نہیں اور طمع سے بڑی کوئی مصیبت نہیں۔حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ میں نے تجھ جیسا کوئی عقلمند نوجوان نہیں دیکھا کہ تو نے دولفظوں میں پوری بات ہی سمیٹ دی۔

دینِ اسلام کا نچوڑ:

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ چار باتیں دینِ اسلام کا نچوڑ ہیں

☆ورع تمام معاملات کی اصل ہے۔

☆ تواضع مومن کے لیے باعثِ عزت ہے۔

☆ جو شخص خوشحالی میں شکر ادا کرتا ہے تو یہ شکر اسے جنت میں لے جاتا ہے۔

☆ جو شخص تنگ دستی میں صبر کرتا ہے تو یہ صبر اسے جہنّم سے بچالیتا ہے۔

آدمی کے اندر یہ چاروں صفات ہونی چاہییں ۔شریعت پر چلنے میں بہت احتیاط کرے، عام حالات میں ایمان والوں کے درمیان تواضع سے زندگی گزارے، خوش حالی میں اللہ کا شکر ادا کرے اور تنگ دستی میں صبر کرے۔

تین حیران کن باتیں:

یونس بن عبید فرمایا کرتے تھے کہ زندگی میں تین باتوں نے مجھے حیران کر دیا:

(۱) ان کے ایک دوست محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جنہوں نے تعبیر الرؤیا کتاب لکھی۔ وہ ایک دن باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ ''میں نے کبھی دنیا کی خاطر کسی سے حسد نہیں کیا۔'' کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر مجھے بڑا تعجّب ہوا کہ اچھا! دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو دنیا کی خاطر کسی سے حسد نہیں کرتے۔

(۲) حسان بن ابی سنان ان کے دوست تھے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ورع بہت آسان ہے۔ پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگے: اس طرح کہ ''جب تیرے دل میں کوئی بات کھٹکے تو تُو اس کو چھوڑ دے، تو ورع پر عمل کرنے والا بن جائے گا۔'' انسان اگر سوچے تو واقعی یہ بات سو فیصد ٹھیک ہے کہ ہر وقت یہ نظر رہے کہ کون سا کام اللہ کو راضی کرنے کا باعث بن سکتا ہے اور کون سا کام اللہ تعالیٰ کو ناراض کر سکتا ہے۔ بندہ جب ناراض کرنے والا کام کرے گا تو وہ گھبرائے گا اور چاہے گا کہ میں اسے چھپاؤں۔

ہم کئی مرتبہ ایسے کام کرتے ہیں کہ دائیں ہاتھ سے کرتے ہیں اور بائیں ہاتھ کو پتہ بھی نہیں چلنے دیتے۔ اس قسم کے سارے گناہ ہی ہوتے ہیں۔ شریعت نے تو کہا کہ صدقہ ایسے دو کہ دائیں ہاتھ سے

صدقہ دو تو بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے، اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے اگر کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرنا ہوتا ہے تو ارادہ بھی بتا دیتے ہیں۔ ہمارے اکابر نیک کام کو اس کے کرنے کے بعد چھپاتے تھے اور ہم نے کام کیا نہیں ہوتا، جب کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس ارادے کا بھی اظہار کر دیتے ہیں۔

ورع کے درجات:

ہمارے اکابر نے لکھا ہے کہ ورع کے چار درجات ہیں:

(۱) عوام الناس کا ورع۔ وہ یہ ہے کہ انسان حرام کاموں سے بچے۔

(۲) صالحین کا ورع۔ وہ یہ ہے کہ انسان مشتبہ (شبہ والے) کاموں سے بچے۔

(۳) متقین کا ورع۔ وہ یہ ہے کہ حرام کے خوف سے حلال کو بھی چھوڑ دے۔

(۴) صدیقین کا ورع۔ وہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جو اللہ کے لیے نہ ہو۔

احتیاط سے عمل کرنے کا مطلب:

اب احتیاط سے عمل کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ذرا یہ بھی سن لیجیے۔

عام طور پر بازار کے اندر جو کھانے بنتے ہیں، ان کے بارے میں پتہ نہیں ہوتا کہ بنانے والے نے چیزیں صحیح ڈالیں یا نہیں۔ پاکی اور ناپاکی کا خیال رکھا یا نہیں رکھا اور خاص طور پر جو ملٹی نیشنل ریسٹورنٹ بن چکے ہیں، ان کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ اندر کیا ڈالتے ہوں گے! چنانچہ اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ کوئی حرام چیز نہ اندر چلی جائے۔ لہٰذا اگر کوئی بندہ اس نیت سے ایسے ریسٹورنٹ کا کھانا چھوڑ دے گا تو یہ ورع کہلائے گا، احتیاط ہے، ہم اس چیز پر حرام کا فتویٰ بھی نہیں لگا سکتے کیونکہ ہمیں کیا پتا کہ اس میں کیا ڈالا ہوا ہے۔ مگر احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی چیزوں کو مت کھائیں۔ سلوک سیکھنے والے لوگ اپنے گھروں میں ایمان والی، نماز پڑھنے والی عورتوں کے بنے ہوئے پاکیزہ کھانوں پر

ہی اکتفا کرلیں تو یہی بہتر ہے۔ ہاں، اگر سفر میں ہوں یا کوئی ایسی وجہ ہو تو شریعت عذر قبول کر لیتی ہے۔ پھر بے شک بازار کی بنی ہوئی چیز کھالیں۔ مگر ورع یہی ہے کہ بازار کی چیز نہیں کھانی۔

دوسری مثال: انسان بازار میں سے گزرتا ہے۔ وہاں مرد بھی ہوتے ہیں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اگر وہ نظر اٹھا کر لوگوں کو دیکھے گا تو دونوں احتمال موجود ہیں۔ وہ نظر مرد پر بھی پڑ سکتی ہے اور عورت پر بھی، اب حرام سے بچنے کی نیت سے جو بندہ اپنی نظر جھکائے ہی رکھے، اوپر نہ اٹھائے، تو یہ ورع پر عمل کرنے والا بندہ ہوگا۔ یعنی عورتوں کے چہروں کو تو کیا دیکھنا، مردوں کے چہروں کو بھی نہ دیکھے۔

بیداری کی زندگی کیسے؟

یہ چیز ذہن میں رکھ لیں کہ جس شخص کے دل میں دنیا کی محبّت ہو، اس کے دل میں ورع داخل نہیں ہو سکتا۔ جب انسان فیصلہ کر لے کہ میں نے اللہ رب العزت کے لیے زندگی گزانی ہے تو پھر اس کے لیے ورع پر عمل کرنا آسان ہوگا۔ کیونکہ اسے خلاف شرع کام چھوڑنا آسان لگے گا۔ یہ بندے کی بیداری ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اکثر و بیشتر انسان نیند میں وقت گزار رہا ہوتا ہے، عیش میں، آرام میں، زندگی گزر رہی ہوتی ہے۔ بیداری کی زندگی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب زندگی کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے۔ ایک انگریز نے کتاب میں ایک عجیب بات لکھی۔ وہ کہتا ہے:

"Suddenly I realised that the days coming and going are my life."

''اچانک مجھے احساس ہوا کہ جو دن آرہے ہیں اور جارہے ہیں، یہی میری زندگی ہے''

چنانچہ بندہ یہ سوچے کہ میں نے اپنے پروردگار کو ناراض نہیں کرنا۔ جبکہ آج ہماری حالت یہ ہے کہ شادی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ

☆ ماموں کو بھی مناؤ،

☆ چچا کو بھی منالو،

☆ پھوپھو کو بھی منالو،

☆ خالہ کو بھی منالو،

☆ ہمسائی ناراض ہوگئی تھی، بیوی کہتی ہے کہ اسے بھی منالو،

☆ ڈرائیور ناراض ہوگیا تھا، بھئی! شادی کا موقع ہے اسے بھی منالو،

☆ گھر میں کام کرنے والی خادمہ، وہ بھی ناراض ہوگئی ہو تو عورتیں پیغام بھیج دیتی ہیں کہ اس کو بھی منالو۔ اب آپ سوچیں کہ گھر میں کام کرنے والی عورت کو بھی اس وقت منایا جاتا ہے، مگر شادی شرع کے خلاف کرکے اپنے رب کو اور اس کے محبوب کو ناراض کیا جارہا ہوتا ہے..... کیا گھر کی ماسی اور ڈرائیور کے برابر بھی مقام نہ دیا! یہ بھی تو سوچتے کہ کیا اس طرح شادی کرنے سے اللہ رب العزت بھی خوش ہوں گے یا نہیں ہوں گے۔

افراط وتفریط سے بچیں:

ورع پر عمل کرتے وقت افراط وتفریط سے بچنا چاہیے۔ شیطان احتیاط سے عمل کرنے والوں کو کئی مرتبہ اتنا سخت بنا دیتا ہے کہ وہ لوگوں کے دل بھی دکھا دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ عنہ ایسے بندے کو وَرِعٌ مُّظْلِمٌ (اندھا متورع) کہتے تھے۔ چنانچہ اس بات کا خیال رکھیں۔ میانہ روی زیادہ بہتر ہے۔

تقویٰ کی لغوی تحقیق:

ورع اور تقویٰ ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ معانی کے اعتبار سے ان میں تداخل ہے۔ تقویٰ اصل میں اِتَّقٰی سے اسمِ مصدر ہے۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ تقویٰ اسم مصدر ہے اور وقایہ اس کا مصدر ہے، چنانچہ

یہ وقوٰی سے بنا ہے۔ پھر واؤ کو تا سے بدل دیا تو یہ تقویٰ بن گیا۔ جیسے تَرَاث میں یا تُخمہ میں واؤ کو تا سے بدل دیا۔

تقویٰ کا مطلب ہے آڑ لینا۔ قاضی عباس ؒ فرماتے ہیں:

یَتَّقِی بِجُذُوعِ النَّخْلِ (درخت کے تنے کی آڑ لینا)

یعنی اپنے آپ کو گناہوں سے بچا لینا، تقویٰ کہلاتا ہے۔

ہمارے اکابر نے تقویٰ کے بارے میں مختلف اقوال ارشاد فرمائے ہیں، مثلاً:

☆ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بندہ تقویٰ کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس چیز کو نہ چھوڑ دے جو اس کے دل میں کھٹکے۔

☆ وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ متقی وہ ہے جو دوسروں کو اپنے اسے اعلیٰ سمجھے۔

☆ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ متقی وہ ہے جو ہر کام اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کرے۔

☆ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ متقی وہ ہے جو دوسروں کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔

☆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ متقی وہ ہے جو گناہوں پہ اصرار نہ کرے۔ یعنی بار بار گناہ نہ کرے۔ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کے ذریعے اپنے پروردگار سے معافی مانگ لے۔

معاملات میں تقویٰ کا پہلو:

تقویٰ کا تعلّق فقط کھانے پینے سے نہیں ہے، بلکہ پوری زندگی کے ساتھ ہے۔ کھانے پینے کا تقویٰ بہت

آسان ہوتا ہے۔ تو معاملات ایسے رکھنا کہ دوسرے بندے کا دل نہ دکھے اور اس کی حق تلفی نہ ہو۔ معاملات کے اندر تقویٰ کا خیال رکھنا، یہ مشکل کام ہوتا ہے۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ کسی بندے کا فقط نماز روزہ مت دیکھو، بلکہ اس کے معاملات کو دیکھا کرو۔ ہمارے اکابر اپنے معاملات میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ مثال کے طور پر:

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جوانی کی عمر میں کپڑے کی دکان چلاتے تھے۔ ایک دن ظہر کے بعد دکان بند کر کے گھر آرہے ہیں۔ کسی نے پوچھا: جی آپ نے ابھی سے دکان بند کر دی؟ فرمایا: ہاں! آج آسمان پر بادل ہیں، روشنی پوری نہیں، اور جب روشنی پوری نہیں ہوتی تو گاہک کو کپڑے کی کوالٹی کا صحیح پتا نہیں چلتا۔ میں نے اس لیے دکان بند کر دی کہ کوئی گاہک کم قیمت کپڑے کو بیش قیمت کپڑا سمجھ کر دھوکے میں نہ پڑ جائے۔

☆ ان کے پاس کپڑے کا ایک ایسا تھان آیا جس کے اندر بناوٹ میں کوئی کمی رہ گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دکان پر کام کرنے والے ورکرز سے کہا کہ جب بھی تم نے یہ تھان بیچنا ہے تو گاہک کو بتا دینا کہ اس کے اندر یہ کمی ہے۔ اس نے کہا: جی بہت اچھا۔

ایک دن جب آپ آئے تو وہ تھان نہ پایا۔ ورکرز سے پوچھا: کیا وہ بک گیا ہے؟ کہنے لگا: جی ہاں۔ پھر پوچھا: کیا گاہک کو اس کا عیب بھی بتا دیا تھا؟ اس نے کہا: جی میں تو بھول ہی گیا۔ فرمانے لگے اب میرے لیے اس پیسے کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ ایک عیب دار چیز کو وہ ہم سے اچھا سمجھ کر لے گیا، ایک مومن کی تجارت دیکھیے۔ پوچھا: کتنے میں بیچا؟ اس نے بتایا: اتنے میں بیچا۔ فرمایا: پیسے لاؤ۔ پھر پوچھا: کیسا بندہ تھا؟ اس نے کہا: اتنا قد تھا، ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اس طرف کو گیا تھا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس کے پیچھے چلے۔ اسے ڈھونڈا تا کہ وہ بندہ مل جائے اور میں اسے پیسے واپس کر

دوں یا بتا دوں کہ اس میں یہ عیب تھا، اگر منظور ہے تو بے شک خرید لو۔ چنانچہ پوچھتے پوچھتے شہر کے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہاں وہ بندہ مل گیا۔ حضرت اسے جا کر ملے اور اس کو جا کر کہا: آپ نے ہماری دکان سے یہ کپڑا خریدا، وہاں پر موجود نوجوان بھول گیا، اس نے آپ کو بتایا ہی نہیں کہ اس کے اندر عیب ہے۔ اس نے یہ بات سنی تو بڑا حیران ہوا۔ چنانچہ اس نے کہا: جی آپ میرے پیسے واپس کر دیں۔ اس نے جو پیسے دیے تھے آپ نے وہ واپس کر دیے۔ قریب ہی پانی کا ایک جوہڑ تھا، اس نے وہ پیسے لے کر اس جوہڑ میں پھینک دیے۔ اب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ اس نے پیسے لیے اور جوہڑ میں پھینک دیے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: بھئی! تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کہنے لگا کہ میں بدنیت انسان دھوکہ دینے کے لیے آیا تھا اور کھوٹے سکے لے کر آیا تھا، لیکن جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ آپ کے اندر تقویٰ اتنا ہے کہ چھوٹی سی بات بتانے کے لیے آپ نے شہر کے کنارے تک مجھے تلاش کیا، میرے دل نے ملامت کی کہ تو اس کو دھوکہ نہ دے، چنانچہ اب میں آپ کو صحیح اور کھرے پیسے دیتا ہوں۔

☆ ہمارے اکابر کے حالاتِ زندگی میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ جب وہ بیٹی کا رشتہ کرتے تھے، اگر بیٹی میں کوئی بری عادت ہوتی تھی تو تو رشتہ مانگنے والوں کو اس کے بارے میں بھی بتا دیا کرتے تھے اس کو غصہ آتا ہے، کام میں سست ہے، ایسی باتیں بچوں میں ہوتی ہیں۔ وہ بیٹی کی بات کو بھی کھول دیتے تھے تا کہ دوسرے بندے کو دھوکا نہ ہو۔

☆ ایک آدمی گدھا بیچ رہا تھا۔ خریدار نے پوچھا: بھئی! یہ گدھا کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا: اگر یہ مجھے پسند ہوتا تو کیوں بیچتا؟ کیسے سیدھے لوگ ہوتے تھے۔ سبحان اللہ!

☆ ہمارے اکابر تو انسانوں کی حق تلفی تو کجا، جانوروں کے حقوق میں بھی کمی بیشی کرنے سے گھبرایا کرتے

تھے۔ چنانچہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ اپنے اونٹ کو چارہ ڈالنے لگے تو چارہ ڈالتے ہوئے فرمانے لگے: دیکھ! میں نے کبھی تیری ہمت سے زیادہ تجھ پر بوجھ نہیں ڈالا، تو قیامت کے دن میرے ساتھ جھگڑا نہ کرنا، اللہ اکبر کبیرا، یہ اولیا ہوتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے سینوں کو اللہ نے ولایت کے نور سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔

گناہ چھوڑنے کی فضیلت:

ورع اور تقویٰ کا مقصود یہ ہے کہ انسان شریعت پر احتیاط سے عمل کرے اور گناہوں سے بچے۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعبُدَ النَّاسِ

''تو گناہ کرنا چھوڑ دے، سب سے زیادہ عبادت گزار بندہ بن جائے گا''

ایک ہوتا ہے دوڑ دوڑ کر نفلیں پڑھنا، تسبیح پھیرنا، نمازیں پڑھنا، یہ بہت اچھی بات ہے۔ اس سے بھی اچھی بات یہ ہے کہ انسان کے وجود سے اللہ کی کوئی نافرمانی نہ ہو۔ اس پر زیادہ محنت کرنی چاہیے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں:

''بہترین عمل جسے لے کر انسان قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہوگا وہ گناہوں کی کمی ہے۔''

اس امت میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو گناہ نہیں کرتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عورت کا تذکرہ کیا اَلْمَرْءَۃُ الْمُتَكَلِّمَۃُ بِالْقُرْاٰنِ وہ عورت جو قرآن کے الفاظ اور آیات سے گفتگو کا جواب دیتی تھی۔ وہ کوئی دوسرا لفظ زبان سے نکالتی ہی نہ تھی کہ میری زبان سے جھوٹ، غیبت یا کوئی خلافِ شرع بات نہ نکل جائے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

''اس امت میں ایسی پاک ہستیاں بھی گزری ہیں کہ ان کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو بیس بیس سال تک کوئی گناہ لکھنے کا موقع نہیں ملا۔''

اس کا کیا مطلب؟ کہ وہ فرشتے تھے؟ نہیں! وہ انسان ہی تھے۔ اول تو وہ گناہ کرتے ہی نہیں تھے اور بتقاضائے بشریت کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو فوراً توبہ کرتے تھے۔ چونکہ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ جب انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو نیکی والا فرشتہ گناہ لکھنے والے فرشتے کو روکتا ہے کہ ٹھہر جاؤ! ممکن ہے کہ یہ توبہ کر لے اور لکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ وہ اسے ایک پہر تک روکتا ہے۔ چنانچہ اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو انسان فوراً نادم اور شرمندہ ہو جائے، گناہ لکھا ہی نہیں جائے گا۔ کیا خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کے نامہء اعمال میں بیس بیس سال تک گناہ لکھنے والے فرشتے کو گناہ لکھنے کا موقع ہی نہیں ملا ہوگا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

''مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الوَرَعِ خَيْرٌ مِّنْ اَلفِ مِثْقَالٍ مِّنَ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ''

ایک حصہ گناہ کا چھوڑ دینا بہتر ہے اس سے کہ انسان ہزار حصے نیکی، نماز اور روزے کے کرے۔

بزرگوں نے کہا:

'' آدمی پانچ سو مرتبہ حج کرے، اس سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ وہ ایک گناہ کو اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ دے۔''

ہمارے اکابر نے فرمایا:

''ایک ذکر تو یہ ہے کہ انسان زبان سے اللہ اللہ کرے۔دل میں اللہ اللہ کا دھیان رکھے۔لیکن بہترین ذکر یہ ہے کہ بندے کو گناہ کرنے کے وقت اللہ یاد آجائے اور وہ گناہ کو اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ دے۔''

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ جب بھی بندہ اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کوئی چیز چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کا بہترنعم البدل عطا فرماتے ہیں۔مثال کے طور پر ایک بندہ غیر محرم سے نظر ہٹاتا ہے تو حدیث مبارکہ میں ہے کہ اس نظر ہٹانے پر اللہ اس کو عبادت میں لذت اور ایمان کی حلاوت عطا فرما دیتے ہیں۔تو بہتر چیز مل گئی نا؟

علوم ومعارف کی بارش:

جو بندہ تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو علوم ومعارف عطا فرماتے ہیں۔طلبا متوجہ ہوں کہ اگر ان کا دل چاہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہمیں اسرار ورموز ملیں، ہمارے دل میں معارف اتریں، تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ گناہ کو ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ دیں۔اس کی دلیل قرآن عظیم الشان سے.....اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ(البقرہ:282) اور اللہ سے ڈرتے رہنا، اللہ تعالیٰ تمہیں علم عطا فرمائے گا۔

تو جو انسان ورع اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے براہ راست علم عطا فرماتے ہیں۔اس کو علمِ لدنی کہتے ہیں۔

تقویٰ کی بدولت اجر میں اضافہ:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں اور دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند الفردوس میں حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔فرماتے ہیں:

رَكْعَتَانِ مِنْ رَجُلٍ وَرِعٍ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ رَكْعَةٍ مِّنْ مُخْلِطٍ

''متقی آدمی کی دو رکعتیں مخلط بندے کی ہزار رکعتوں پر بھی فضیلت رکھتی ہیں۔''

متقی بندے کو دو رکعت پر وہ اجر ملتا ہے جو عام بندے کو ہزار رکعت پر بھی نہیں ملتا۔اور مخلط بندہ وہ ہوتا ہے جو نیک اعمال کے ساتھ گناہوں کو بھی خلط ملط کرنے والا ہو۔

یہ تقویٰ کی برکت ہے کہ اس کا اجر بڑھا دیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا (الطلاق:5) اور وہ تمہارے اجر کو بہت زیادہ کر دے گا۔

دیکھیں! ایک من مٹی ایک من ہوتی ہے۔

ایک من لوہا ایک من ہوتا ہے۔اور

ایک من سونا ایک من ہوتا ہے۔

ایک من مٹی کی قیمت اور ہوتی ہے اور ایک من لوہے کی قیمت اور ہوتی ہے اور ایک من سونے کی قیمت اور ہوتی ہے۔عام آدمی کے عمل پر اگر مٹی اور لوہے کی قیمت لگائیں گے تو اللہ تعالیٰ متقی بندے کے اعمال پر سونے کی قیمت لگا دیں گے۔اور کئی ایسے بھی ہوں گے جن کے عملوں کو مٹی کے بھاؤ بھی قبول نہیں فرمائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص اتنی ورع نہیں رکھتا کہ تنہائی میں نافرمانی سے بچے، وہ جو چاہے کرے اللہ تعالیٰ کو اس کے عمل کی کوئی پروا نہیں۔''

اللہ رب العزت سے یہ نعمت مانگئے کہ اللہ رب العزت ہمیں تنہائی میں گناہوں سے بچنے کے لیے اپنا خوف عطا فرمادے۔

حاصلِ کلام:

یاد رکھیں! اگر اسی طرح ملی جلی زندگی رہی کہ ضربیں بھی لگتی رہیں اور گناہ بھی ہوتے رہے تو پھر ہم نفس کے چنگل میں پھنسے رہیں گے۔ پھر ولایت کا نور دل میں آنا بہت مشکل ہوجائے گا۔ اس لیے دل میں یہ نیت کر لیجیے کہ آج کے بعد ہم کوئی ایسا عمل نہیں کریں گے جو ہمارے پروردگار کو ناراض کردے۔ نیت پر ہی عمل کی بنیاد ہوتی ہے۔ دنیا کا سب سے لمبا سفر ایک قدم اٹھانے سے شروع ہوجاتا ہے۔ آپ یہ نیت کرلیں، ولایت کا سفر شروع ہوجائے گا۔ آپ کی خدمت میں ولایت حاصل کرنے کا طریقہ بتلا دیا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فارسی کا ایک شعر کہتے ہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

''اے دوست! میں نے تجھے منزل کا پتہ بتا دیا، میں نہیں پہنچ سکا، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے پہنچا دے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں موت سے پہلے ولایت کا نور عطا فرمادے اور قیامت کے دن اپنی محبّت کرنے والے عشاق کی قطار میں ہمیں بھی کھڑا فرمادے۔ آمین ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ